۴

اللہ تعالیٰ کے عفو کا صحیح مفہوم سمجھنے کی کوشش کرو

(فرمودہ ۱۷- فروری ۱۹۳۳ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

ابھی تک میری آواز چونکہ ایسی نہیں کہ میں اِس قدر اونچا بول سکوں کہ تمام دوست اسے بخوبی سن سکیں- اس لئے مجبوراً جس حد تک میری آواز اُٹھ سکتی ہے، اُس حد تک اپنی طاقت کے مطابق بولوں گا- اور اپنے مافی الضمیر کو جہاں تک اپنی آواز پہنچاسکوں، پہنچانے کی کوشش کروں گا- مجھے ایک عجیب کمزوری جماعت میں نظر آتی ہے- اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رحم، اس کے عفو، اس کے فضل اور اس کے کرم کا غلط مفہوم جماعت میں پیدا ہو رہا ہے- بعض لوگ حقیقت کا اندازہ لگانے سے دانستہ یا نادانستہ ہچکچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عفو اور اس کی رحمت کے متعلق آیتوں کو غلط اور بے محل استعمال کرتے ہیں-

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا اور بہت کرم کرنے والا ہے- لیکن ہم دنیا میں اس کی دوسری صفات کو بھی ہر وقت ظاہر ہوتا دیکھ رہے ہیں- ہم روزانہ لوگوں کو بیمار ہوتا دیکھتے ہیں، روزانہ اندھوں اور گونگوں اور لنگڑوں اور لولوں کو دیکھتے ہیں- ہم ماں باپ کے اکلوتے بچوں کو مرتے دیکھتے ہیں- ہم خاندان میں سے ایک ہی روزی کمانے والے مرد کو جان دیتے دیکھتے ہیں- ہم دودھ پیتے بچہ کو چھوڑ کر دنیا سے گزر جانے والی ماں کو دیکھتے ہیں- آپس میں عشق و محبت رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے جُدا ہوتے دیکھتے ہیں- غرض یہ نظارے ہم روزانہ دیکھتے ہیں- اور خدا کے یہ افعال روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے

آتے ہیں- باوجود اس کے ہم اللہ تعالیٰ کے رحم پر حرف گیری نہیں کرتے- اللہ تعالیٰ کی جس صفت کے ماتحت ان افعال کا ظہور ہوتا ہے' وہ بتاتی ہے کہ رحم اور عفو کا یہ مفہوم نہیں کہ ایک شخص کوئی فعل کرے اور پھر کہہ دے میری توبہ تو وہ اس کے اثرات و نتائج سے محفوظ ہوجائے- اگر عفو اور رحم اور توبہ کا یہی مفہوم ہوتا تو نہ دنیا میں بیماریاں ہوتیں نہ موتیں ہوتیں' نہ دوسری تکالیف پیش آتیں' نہ خدا کی گرفت کسی اور صورت میں ظاہر ہوتی اور نہ اگلے جہان کے عذاب باقی رہتے- کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثال اس راجہ کی سی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ "اندھیری نگری چوپٹ راجہ"- بلکہ اس کی طرف سے پیدائش اور فنا' گرفت اور عقوبت ایک قانون کے ماتحت جاری ہے- اس کی طرف سے ہلاکت بھی ایک قانون کے ماتحت جاری ہے اور اس کی طرف سے رحم بھی ایک قانون کے ماتحت جاری ہے-

دیکھو رسول کریم ﷺ کے وقت ایک نوجوان انصاری کے منہ سے ایک بات نکلی جو رسول کریم ﷺ تک پہنچ گئی- باقی سب انصار نے اُس سے بیزاری کا اظہار کیا' بڑوں اور چھوٹوں نے' امراء اور غرباء نے غرض تمام کی تمام جماعت نے اس کے خیال سے نفرت کا اظہار کیا- اس کو رد کیا' اسے باطل قرار دیا اور اِس بات کا اعلان کیا کہ ہم نہ کبھی اس خیال کو صحیح سمجھتے تھے نہ اب سمجھتے ہیں اور نہ آئندہ سمجھیں گے- مگر باوجود اس کے کہ وہ قوم کا خیال نہ تھا' باوجود اس کے کہ وہ کسی ذمہ دار فرد کا قول نہ تھا اور باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک فرد کا قول تھا- اور پھر باوجود اس کے کہ تمام لوگ اس قول پر نادم بھی ہوئے' پھر بھی رسول کریم ﷺ نے فرمایا اے انصار! اپنا صلہ اب تم مجھ سے حوضِ کوثر پر ہی مانگنا[۱]- کیا کوئی خیال کرسکتا ہے کہ محمد ﷺ سے زیادہ رحم کرنیوالا کوئی شخص پیدا ہوا یا ہوسکتا ہے یا آئندہ پیدا ہوگا- یا کوئی خیال کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحم اُس وقت معطّل ہوگئی تھی- نہیں بلکہ یہ سب چیزیں بعض قوانین کے ماتحت ہوتی ہیں- ایسے باریک قوانین جن کو بہت سے انسان نہیں سمجھ سکتے- اصل بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو بعض باتوں پر غور کرنے کا موقع نہیں ملتا- اِنہیں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں- اللہ تعالیٰ کی صفات اتنی انواع کی ہیں کہ انہیں اپنے طور پر سمجھنے والا کبھی نامکمل علم بھی حاصل نہیں کرسکتا- چہ جائیکہ اسے مکمل علم حاصل ہوسکے- ہم جن گلیوں میں سے روزانہ گزرتے ہیں اگر کسی وقت انہیں میں سے

ایک گلی میں چلتے چلتے یکدم رُک جائیں اور پھر دیکھیں کہ ارد گرد کیا چیزیں ہیں تو کئی چیزیں ایسی دکھائی دیں گی جو پہلے کبھی خیال میں بھی نہیں آئی ہوں گی' حالانکہ سالہاسال سے اس گلی میں سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مختلف انواع کی چیزیں پیدا کی ہیں کہ انسان کو ان سب پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا اور انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس کے ہزارویں بلکہ لاکھویں حصہ پر بھی غور نہیں کرتا۔

ہوا کا ہر جھونکا جو ہمارے جسم کو لگتا ہے' وہ ایک اچھا یا بُرا اثر ہمارے اندر ضرور پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ہر ہوا کا کش جو ہم ناک سے لگاتے ہیں' وہ اچھی یا بُری کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ہر دفعہ جب ہم اپنی آنکھ جھپکتے ہیں اور نور کی شعاعوں یا ظلمت کی تاریکی کو دیکھتے ہیں تو دل اور دماغ اور جسم اور روح پر اچھا یا بُرا اثر ضرور قائم ہوتا ہے' مگر ہم کتنی دفعہ اس اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ وہ ہوا کا جھونکا جو ہمارے اندر بیماری کے جرمز پیدا کردیتا ہے یا نمونیہ کی طرف جسم کو راغب کردیتا ہے یا وہ پانی کا قطرہ جس کے پیتے ہی ہیضے کی طرف طبیعت مائل ہوجاتی ہے یا وہ سیدھا سادھا سانس جو سِل کے جراثیم لے کر ہمارے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ ہم کب اس کے اثرات محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں تو یہ پتہ بھی نہیں لگتا کہ ہم نے ایسا سانس لیا ہے جو کل ہمیں بد ہضمی کا شکار بنادے گا۔ یا ایسا قطرہ پانی کا پیا ہے جو ہیضہ کا شکار کردے گا۔ پس اگر ہم غورو فکر سے کام لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جن پر غور کرنے کا ہمیں موقع نہیں ملتا۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ غافل انسان اِدھر توجہ نہیں کرتا۔ اگر تم یہ کہو گے تو یہ تمہاری بیوقوفی ہوگی۔ کیونکہ اگر انسان تمام کی تمام چیزوں پر غور کرنے لگے تو نہ صرف یہ کہ اس کا علم نہ بڑھے بلکہ اور بھی کم ہوجائے۔ مثلاً اگر وہ یہی سوچنے لگے کہ ہوا کا جھونکا جو مجھے لگا ہے' اس نے اچھا اثر پیدا کیا ہے یا بُرا۔ اور اُٹھتے بیٹھے' کھاتے پیتے' سوتے جاگتے' چلتے پھرتے یہی ایک خیال اس پر سوار رہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ وہ تجارت کرسکے گا' نہ زراعت نہ ملازمت کرسکے گا نہ کوئی اور کاروبار۔ وہ یہی سوچتا رہے گا کہ یہ ہوا کا جھونکا جو مجھے لگا تھا' اچھا تھا یا برا تھا۔

اب غور کرو! اس طرح سوچتے رہنے سے اس کا علم بڑھے گا یا کم ہوگا۔ اسی طرح اگر ہم ہر پانی کے قطرہ کے متعلق یہ سوچنے لگیں کہ اس نے ہمارے جسم پر اچھا اثر پیدا کیا ہے یا بُرا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بجائے علم میں ترقی کرنے کے علم سے محروم رہ جائیں گے۔ پس جو

شخص یہ کہتا ہے کہ آہ غافل انسان اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کو نہیں دیکھتا اور ان پر غور نہیں کرتا' وہ خود اپنی جہالت کا اظہار کرتا ہے۔ کیونکہ کوئی انسان تمام کی تمام چیزوں کو دیکھ سکتا ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا بنایا ہی نہیں کہ وہ اردگرد کی تمام چیزوں پر غور کرسکے۔ پھر کیا طریق ہے جس سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ اس کا پتہ الہام سے لگتا ہے جو ایک ساعت میں نازل ہوتا اور علوم کا دروازہ انسان کیلئے کھول دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد صفات ہیں جن میں سے ایک صفت اس کی ربوبیت ہے۔ اس کی ربوبیت کے اربوں ارب حصوں میں سے ایک پانی اور روٹی ہے۔ پھر وہ صفات ہیں جو دوسری مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں یا وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں یا وہ صفات ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ یا کئی ہیں جو اگلے جہاں سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہی اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی دوگنی صفات کام کریں گی۔ اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مَالاَ عَیْنٌ رَأَتْ وَلاَ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ[۲] تو وہی صفات جو کل ہمارے سامنے آنے والی ہیں' آج ہماری طاقتیں ایسی کمزور ہیں کہ ہم انہیں خیال میں بھی نہیں لاسکتے۔ جب ہم ان کو بھی خیال میں نہیں لاسکتے جو کل ہمارے سامنے آنے والی ہیں تو دوسرے مخلوق سے جو صفات تعلق رکھتی ہیں یا جو خدا کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں ان کو خیال میں کیونکر لاسکتے ہیں۔ پس یہ بات نہیں کہ ہم غافل ہیں۔ ہاں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو غافل ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بعض لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے گزر جاتے ہیں مگر ان کی طرف توجہ نہیں کرتے لیکن وہ لوگ محدود دائرہ کے اندر ہیں۔ اکثر حصہ لوگوں کا ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنا چاہیں تو بھی نہیں کرسکتے۔ اور اگر کریں تو ایسے چکر میں پھنس جائیں گے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ غرض ان چیزوں کو انسانی علم دریافت نہیں کرسکتا' صرف اللہ تعالیٰ کا الہام ہی ہے جو ان کا علم دیتا ہے۔ انہی چیزوں میں سے صفاتِ الٰہیہ ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ کا علم بھی الہام کے ذریعہ ملتا ہے' عقل کے ذریعہ نہیں۔ الہام جتنا جتنا پردہ اٹھاتا جاتا ہے اتنا اتنا علم ہوتا جاتا ہے۔ پس میں کہتاہوں تم میں سے کئی عالم بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم کس طرح نازل ہوتا ہے اور نہ کوئی دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ اس امر کو سمجھتا ہے۔ ہاں خداتعالیٰ کا الہام بتادیتا ہے۔ اور جن کو تجربہ ہو وہ جانتے ہیں کہ کس طرح بڑے بڑے وسیع مضامین جن کو سوچ کر نکالنا تو الگ رہا' جن کو سوچنا بھی کئی مہینوں کی محنت

چاہتا ہے' سیکنڈ سے بھی تھوڑے عرصہ میں انسانی قلب پر نازل ہوجاتے ہیں- پس جتنا حصہ معلوم ہو اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے اور جو نہ معلوم ہو' بجائے اس کے کہ اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرو اسے اپنے حال پر رہنے دو-

مجھے افسوس سے معلوم ہوا ہے کہ رحم اور گناہ کی کیفیت کے متعلق ہماری جماعت کے لوگوں کا علم نہایت کوتاہ ہے- کئی سمجھتے ہیں ان کے جو جی میں آئے کہہ دیں اور پھر زبان سے یہ کہنے پر کہ ہم معافی مانگتے ہیں' انہیں کوئی گرفت نہ ہونی چاہیئے اور معافی مل جانی چاہیئے- وہ سمجھتے ہیں ان کا یہ پہلو اختیار کرنا صحیح ہے' حالانکہ ایسی صورت میں وہ معافی نہیں مانگتے بلکہ عفو کا منہ چڑاتے ہیں اور بسااوقات جب وہ رحم کیلئے اپیل کررہے ہوتے ہیں' رحم سے ہنسی کررہے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو توبہ کے قابل ظاہر نہیں بنارہے ہوتے بلکہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم بے صبر آدمی ہیں- صحابہ کرام میں ہم دیکھتے ہیں' ان میں سے چند لوگوں کو ایک دفعہ سزائیں ملیں- انہوں نے سزا کی حکمت کو سمجھا اور کم ازکم مجھے کوئی ایسا حوالہ یاد نہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے معافی مانگی ہو- ممکن ہے ہو- بعض دفعہ انسان بھول بھی جاتا ہے لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے سزا کے بعد انہوں نے عفو کی درخواست نہ کی- اور میں سمجھتا ہوں ان کیلئے ایسی درخواست کرنا جائز بھی نہ تھا- سزا کیا ہوتی ہے؟ سزا بسااوقات ندامت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے- سزا بعض اوقات ایک دل کا زنگ دور کرنے کا باعث ہوتی ہے- پس کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ چاقو جسے تیز کرنے کیلئے سان پر چڑھایا جائے اسے اگر زبان دی جائے اور وہ چلاّئے کہ مجھ پر رحم کرو- تو اس کی درخواست اِس قابل ہوگی کہ اسے قبول کرلیا جائے- چاقو کیلئے سان پر چڑھنا ضروری ہے تاکہ اس کا زنگ دور ہو- پس کئی سزائیں دُنیا میں رحمت ہوتی ہیں اور کئی سزائیں اظہارِ ناراضگی کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں- جو حصہ سزا کا اظہارِ ناراضگی سے تعلق رکھتا ہو' اس میں عفو کی درخواست میں جلدی کرنی چاہیئے- کیونکہ اپنے پیارے اور محبوب کی ناراضگی کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کی جاسکتی- مگر جو حصہ خفگی یا ناراضگی کا غصے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اصلاح کے پہلو پر حاوی ہو- اس میں اُس وقت تک معافی کی درخواست نہیں کرنی چاہیئے جب تک حقیقی ندامت پیدا نہ ہو یا جو سزا زنگ کے دُور کرنے کیلئے جاری کی گئی ہو اس میں اُس وقت تک عفو کی درخواست نہیں کرنی چاہیئے جب تک زنگ دُور نہ ہوجائے- ہاں جو قلبی ناراضگی سے تعلق

رکھتی ہو' اس میں جتنی جلدی عفو طلب کیا جائے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اور وہ سزا کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ ناراضگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ چاہے ناراضگی کے ساتھ سزا ہو یا نہ ہو۔ بسا اوقات انسان ناراض ہوتا ہے لیکن سزا نہیں دیتا۔ اور جو حصہ ندامت پیدا کرنے کیلئے ہوتا ہے' اس میں اُسی وقت عفو کا حق ہوتا ہے جب ندامت پیدا ہوجائے۔ اُس وقت کسی کا یہ کہنا کہ میرا قصور تو کوئی نہیں لیکن مجھے معاف کردو۔ درحقیقت اُس حقیقت کا انکار ہے جس کیلئے سزا دی گئی تھی۔ اور اس حالت میں معاف کردینے کے معنے یہ ہیں کہ اس کو اسی مقام پر کھڑا رہنے دیا جائے جس پر وہ پہلے کھڑا تھا۔

جب جُرم کا احساس ہی کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوا اور جو غرض تھی یعنی یہ کہ اس سے ایک زیادہ سمجھنے والی ہستی اور ایک ذمہ دار ہستی محسوس کرتی ہے کہ اس نے غلطی کی' وہ اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ جب وہ غرض ہی پوری نہ ہوئی تو معافی طلب کرنے کے کیا معنی۔ ناراضگی تو ایک روک ہوتی ہے جیسے ایک گھوڑے کے گلے میں اس لئے رسّی ڈال دی جائے کہ وہ کسی اور طرف نہ جاسکے۔ لیکن اگر وہ گھوڑا اسی طرف زبردستی چلا جائے جس طرف سے اسے روکا گیا ہو تو پھر اس روک کا کیا فائدہ۔ اسی طرح اگر بغیر اصلاح ہونے کے معاف کردیا جائے تو ناراضگی کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ اگر خیالات میں یا ذہن میں کچھ تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور ابھی تک کسی میں جرم کے سمجھنے کی قابلیت بھی پیدا نہیں ہوئی تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اس کے دل میں حقیقی ندامت پیدا ہوئی ہے۔ اُس نے تو ابھی تک اپنے جُرم کو بھی نہیں سمجھا کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر کوئی خداتعالیٰ سے یہ کہے کہ اے خدا! تیرا رسول خَاتَمَ النَّبِیّٖن ﷺ ہے تو جھوٹا مگر یہ کہنے سے تُو مجھ پر گرفت نہ کر' تو کیا ایسا شخص راستی پر ہوگا۔ بھلا اس سے زیادہ احمق اَور کون ہوسکتاہے جو ایک طرف تو جھوٹا کہتا ہے اور دوسری طرف یہ کہتا ہے کہ مجھ پر گرفت نہ کیجیئو۔ یا کوئی یہ دعا کرے کہ اے خدا تیرا نبی ہے تو جھوٹا مگر تُو کہتا ہے اس لئے مان لیتا ہوں۔ ایک طرف جھوٹا کہنا اور دوسری طرف یہ کہنا کہ تُو کہتا ہے اس لئے مان لیتا ہوں' ایک پاگل کی بڑ سے زیادہ اس کی حقیقت کیا ہوگی۔ نبی کے بھیجنے کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ وہ معلم ہو۔ اور جب کوئی اسے معلّم سمجھتا ہی نہیں اور یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار ہی نہیں کہ وہ کوئی تعلیم دے سکتا ہے تو اس سے وابستگی کیا معنی رکھتی ہے۔

پس یہ ایسی ہنسی کے قابل بات ہے کہ میں حیران ہوجاتا ہوں ہماری جماعت جسے صفاتِ الٰہیہ کا علم ہونا چاہیئے تھا' اس کے بہت سے افراد اس علم سے بالکل کورے ہیں- کئی ہیں جو منہ سے تو دعویٰ بیعت کرتے ہیں مگر حرام ہے کہ وہ کسی بات میں اطاعت کریں- یہ تو ہوگا کہ مثلاً مَیں چندہ مانگوں تو وہ کسی کے مقابلہ میں بڑھ کر چندہ دے دیں مگر ان کی ذہنی کیفیت نہیں بدلے گی- اور یہی کہیں گے کہ جو وہ سمجھتے ہیں وہی صحیح ہے- ایسا انسان درحقیقت معلّم کو نہیں سمجھتا- معلّم اور متعلّم میں فرق ہوتا ہے- یوں تو بعض دفعہ شاگرد بھی صحت پر ہوسکتا ہے اور استاد غلطی پر- مگر سمجھا یہی جاتا ہے اور عام قاعدہ یہی قرار دیا جاتا ہے کہ جو معلّم کہتا ہے وہی صحیح ہے- اِس نکتہ کو فرض کرکے آگے چلنا پڑتا ہے- اور وہ شخص جو اس امر کو مدنظر نہیں رکھتا نقصان اُٹھاتا ہے- میں دیکھتا ہوں کہ اس قسم کی طبائع ہماری جماعت میں موجود ہیں- وہ سمجھتی ہیں کہ جو بات وہ کہتی ہیں وہی ٹھیک ہے- ایسے انسان کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے- اگر یہاں ہوں تو قادیان کی رہائش سے اور اگر باہر ہوں تو میری بیعت سے- اس لئے کہ جس دروازہ سے نور حاصل ہوسکتا ہے اس کو انہوں نے اپنے اوپر بند کررکھا ہے- اور جب دروازہ بند کیا ہوا ہو تو نور کہاں سے داخل ہو-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک واقعہ آتا ہے- دیکھو وہ کس طرح سزا اور اس کی غرض کی اہمیت کو سمجھتی تھیں- وہ اپنے بھانجے سے ایک دفعہ ناراض ہوئیں- کیونکہ اس نے کہا تھا کہ حضرت عائشہ کا ہاتھ روکنا چاہیئے' وہ بہت صدقہ و خیرات کرتی ہیں- اور اگر اسی طرح کرتی رہیں تو رشتہ داروں کیلئے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سُن کر قسم کھائی کہ میں اس کی شکل کبھی نہیں دیکھوں گی- صحابہؓ کو اِس سے بہت تکلیف ہوئی اور انہوں نے صلح کی کوشش شروع کی مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی- آخر سب صحابہؓ نے مل کر یہ تجویز کی کہ صحابہؓ کا ایک وفد حضرت عائشہ کے پاس جائے- اور ان کے بھانجے کو بھی ساتھ لے لیا جائے اور لے جاکر خالہ سے بھانجے کی ملاقات کرادی جائے- خالہ کی محبت بھی مادرانہ محبت کی طرح ہوتی ہے- جب وہ اپنے بھانجے کو دیکھیں گی تو مادرانہ محبت ان پر غالب آجائے گی اور وہ اس کا قصور معاف کردیں گی- یہ تجویز سوچ کر چند اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ صحابہؓ حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی- حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی- اب چونکہ سب کو اکٹھی اجازت مل گئی تھی اوراس میں ان

کابھانجا بھی شامل تھا اس لئے اسے بھی اجازت ہوگئی- اس پر صحابہؓ تو باہر ہی رہے اور وہ اندر چلے گئے اور جاکر اپنی خالہ سے چمٹ گئے اور معافی مانگنے لگ گئے آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر رقّت طاری ہوگئی اورانہوں نے معاف کردیا- لیکن معاف بھی کس لطیف رنگ میں کیا- ان پر اعتراض کیاگیا تھا کہ وہ بہت صدقہ وخیرات کرتی ہیں اس لئے آپ نے فرمایا میں تمہیں معاف تو کرتی ہوں لیکن میں نے عہد کیا تھا کہ اِس قسم کو نہیں توڑوں گی اوراگر توڑوں تو پھر کچھ صدقہ وخیرات کروں گی- اب ممکن ہے کچھ سے مراد مَیں جو کچھ لوں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نہ ہو- اس لئے آئندہ میرے پاس جو چیز آیا کرے گی وہ مَیں صدقہ میں دے دیا کروں گی ؎ - تو وہی چیز جس سے روکنے کیلئے حضرت عائشہ رضی اللہ کے بھانجے نے اعتراض کیا تھا' اسی کو انہوں نے اپنی زندگی کا جزو قرار دے لیا- ورنہ خود رسول کریم ﷺ کا حکم ہے کہ صلہ رحمی کرو- اور ایک دوسرے سے محبت و پیار رکھو- اور ایسے امور میں قسم کا کفارہ دے دینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اس کا حکم ہے-

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ کیا' اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کیا- لیکن باوجود اس کے چونکہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید محبت کے غالب آنے کی وجہ سے آپ نے معاف کیا ہے' اس وجہ سے آپ نے اس کی توبہ یہ قرار دی کہ جب تک میں زندہ رہوں گی صدقہ و خیرات کرتی رہوں گی- کیسی لمبی توبہ ہے اور کتنا چھوٹا فعل تھا- کون ہے جو اِس طرح ندامت کا اظہار نہیں کرسکتا کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ تم نے یہ فعل کیا؟ تو وہ کہے ہاں جی میں نے کیا مگر میری توبہ- اگر یہی توبہ ہے تو خدا نے جو نظام قائم کیا ہے وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا- اور وہ بالکل بے معنے ہوجاتا ہے- رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں وحشی ایک حبشی تھا- اس نے اپنے کفر کے زمانہ میں ایک ایسی حرکت کی جس سے رسول کریم ﷺ کو سخت صدمہ پہنچا- پھر کچھ مدت کے بعد وہ اسلام میں داخل ہوگیا- اسلام بذات خود تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے- مگر رسول کریم ﷺ نے اسے فرمایا تم میرے سامنے نہ آیا کرو؎ - وہ توبہ کرچکا تھا گناہ اس کے معاف ہوچکے تھے پھر بھی اس کا ایک فعل اس پر ایسا داغ لگاچکا تھا جس کا مٹانا اس کیلئے زندگی میں قریباً ناممکن تھا- رسول کریم ﷺ جانتے تھے کہ میرا فرض ہے کہ میں اس کیلئے دعائیں کروں لیکن ممکن ہے یہ میرے سامنے آجائے اور اس کے آنے پر میری دعا میں روک واقعہ ہوجائے کیونکہ اس نے ایک عظیم الشان خادمِ اسلام کو شہید کیا تھا- پس

رحم اور عفو وسیع مضامین ہیں۔ خطبہ کی کوتاہی اس کے ایک حصہ کے بیان کرنے سے بھی قاصر ہے اور میں اس کے ایک حصہ کی مثال کو بھی بیان نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ بہرحال میں بتانا چاہتا ہوں کہ توبہ' رحم اور عفو کو مضحکہ مت بناؤ' اس سے گناہوں پر دلیری اور جرأت پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر انسان یہ سمجھ لے کہ میرا جو جی چاہے کرلوں بعد میں کہہ دوں گا۔ معاف کردو تو نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ جُرم کی عظمت جاتی رہے گی اور قلبی سوزش جو گناہ کے بعد پیدا ہونی چاہیئے' وہ پیدا نہیں ہوگی۔ مومن کے دل میں سوزش اور قلبی موت دونوں ہی حالتوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس وقت جب وہ گناہ کرتا ہے اور اُس وقت بھی جب وہ گناہ نہیں کرتا۔ اور درحقیقت وہ قلبی موت نہیں جاتی جب تک آسمان سے اس پر زندگی کا پانی نہ چھڑکا جائے اور جب تک خدا اسے آپ موت سے نہ بچالے۔ یا پھر یہ کہ اس پر جسمانی موت وارد ہوجائے یہ دونوں موقعے ایسے ہیں جبکہ مومن زندہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت بھی جب فرشتے اس کی جان نکالتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مرگیا ہے اور اس وقت بھی جب کہ خدا کے فرشتے اس پر زندگی کا پانی چھڑکیں اور وہ نازل ہوکر کہیں کہ ہم نے تجھے زندہ کردیا۔ اب اگر تُو اپنے آپ کو مُردہ سمجھے گا تو یہ خدا پر بدظنی ہوگی۔ مومن سے جب گناہ سرزد ہوتا ہے تو پھر گناہ کی سوزش اسے زندہ کرتی ہے اور جب وہ گناہ نہیں کررہا ہوتا اُس وقت وہ گناہوں کی عظمت اور اپنی کمزوری سے غافل نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں ہروقت گناہ کے کنارے کھڑا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں خدا کے کئی گناہگار اور خطاکار بندے ایسے ہوں گے کہ وہ بھی اس بات کیلئے تیار ہوجائیں گے کہ خداتعالیٰ بیشک ہمیں دوزخ میں ڈال دے مگر وہ ہم سے ناراض نہ ہو۔ یہ مت سمجھو کہ کوئی دوزخی اپنے قلب میں خدا کی محبت نہیں رکھتا۔ کئی ایک انسانوں کے دلوں میں نیکی کا بیج ہوتا ہے مگر اسے بڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ آتا ہے کہ کوئی شخص تھا بڑا گناہ گار' اُس کا ایک بیٹا بھی تھا جو سخت نافرمان تھا اُس نے نیکی کبھی نہیں کی تھی اور نہ کبھی باپ کی فرمانبرداری کی تھی۔ دونوں باپ بیٹے کے مرنے پر حکم ہوا کہ باپ اور بیٹا دونوں کو دوزخ میں ڈال دیا جائے۔ اُس وقت وہ بیٹا جس نے کبھی باپ کی فرمانبرداری نہیں کی تھی عاجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور گر گیا اور کہنے لگا خدایا۔ مجھے آج تک موقع نہیں ملا کہ میں اپنے باپ کی فرمانبرداری کروں یا اس کے ساتھ کوئی حسنِ سلوک کروں میں تیرے حضور دعا

کرتا ہوں کہ تُو اِس وقت میرے باپ کی سزا بھی مجھ پر ڈال دے اور مجھے زیادہ لمبے عرصہ کیلئے دوزخ میں پھینک دے' تاکہ میں اپنے باپ کو تکلیف میں نہ دیکھ سکوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ دیکھو میرے بندے کے دل میں محبت کا بیج موجود ہے' جاؤ میں نے تم دونوں کو معاف کیا اس طرح وہ دوزخی جنتی بن گیا۔ مگر اس لئے کہ اس کے دل میں اطاعت کا بیج موجود تھا جو آخری وقت میں پھوٹ پڑا۔ حالانکہ وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اُس وقت رشتہ دار ایک دوسرے پر اپنی سزا ڈالنے کی کوشش کریں گے اور چاہیں گے کہ کسی طرح ان کا چُھٹکارا ہوجائے ۵ ۔ ایسے موقع پر وہ جس نے ساری عمر نافرمانی میں گزاردی' اپنے باپ کی سزا بھگتنے کیلئے تیار ہوگیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدی خواہ کتنی بڑھ جائے نیکی کے بیج کو نہیں مٹاسکتی۔ ایسے آدمی میرے نزدیک ہوں گے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً ہوں گے جن کو قیامت کے دن دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوگا تو کہہ دیں گے کہ ہم بیشک سزا کو برداشت کریں گے اور دُگنے یا تگنے عرصہ کیلئے جہنم میں پڑنا بھی گوارا کرلیں گے مگر اے خدا! تیری ناراضگی ہم برداشت نہیں کرسکتے کیونکہ سزا اصل چیز نہیں اصل چیز خفگی اور ناراضگی ہے جو محبت کے تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ شخص جو سزا کو اصل چیز قرار دیتا ہے' وہ گویا محبت کا انکار کرتا ہے۔

(الفضل ۲۶ - فروری ۱۹۳۳ء)

---

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف

۲ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ السجدۃ زیر آیت فلا تعلم نفسٌ مّا اخفی لھم من قرۃ أعینٍ

۳ بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش

۴ بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزۃ

۵ المعارج: ۱۲ تا ۱۴